بحث و نظر

مولانا مودودیؒ کا طریقِ انقلاب

سوال: - اکتوبر ۸۳ء کا ترجمان القرآن نظر نواز ہوا۔ اس دفعہ اس میں کتابت کی غلطیاں بہت ہیں۔ غالباً پروف ریڈنگ نہیں کی جا سکی۔ گذارش ہے کہ اس طرف کما حقہ توجہ دی جائے۔

اس شمارے میں محترم سید اسعد گیلانی صاحب کے ایک مضمون بہ عنوان "سید مودودیؒ کی سیاسی فکر کے ۱۶ نکات" نے بعض پہلوؤں سے خلجان میں مبتلا کر دیا ہے۔ آپ سے گذارش ہے کہ اگر ترجمان القرآن ہی کے صفحات میں اس کی وضاحت فرما دی جائے تو بہتر ہو گا۔ تاکہ میری طرح دیگر قارئین کرام کی بھی خلش رفع ہو جائے۔

۱- کیا اہل سنت کے نزدیک بھی حضرت امام حسینؓ کے ساتھ "علیہ السلام" لکھنا درست ہے۔ کیونکہ اہلِ سنت بالعموم نبی کے ساتھ "علیہ السلام" لکھا کرتے ہیں۔

۲- میں جماعتِ اسلامی کا ایک دیرینہ کارکن ہوں۔ میرا آج تک یہ تاثر رہا ہے کہ مولانا مودودیؒ نے جماعت کا ایک ہی طریقِ کار بتایا ہے، جس کو انہوں نے ابتدائی طور پر "اسلامی حکومت کس طرح قائم ہوتی ہے" میں بیان فرمایا تھا۔ اس کے بعد جماعت اسلامی کے دستور کی شق نمبر ۵ میں جماعت کے مستقل طریقِ کار کی وضاحت درج ذیل الفاظ میں کی گئی ہے۔

"جماعت اپنے پیش نظر اصلاح اور انقلاب کے لیے جمہوری اور

آئینی طریقوں سے کام کرے گی۔ یعنی یہ کہ تبلیغ و تلقین اور اشاعتِ افکار کے ذریعے سے ذہنوں اور سیرتوں کی اصلاح کی جائے اور رائے عام کو اُن تغیرات کے لیے ہموار کیا جائے جو جماعت کے پیش نظر ہیں۔"

مگر مذکورہ مضمون میں کہا گیا ہے کہ تیسرا طریقہ مقبول عام عوامی انقلابی تحریک ہے۔ عوامی انقلابی تحریک کا مطلب یہ ہے کہ فری اسٹائل کشتی کے طرح کسی اُصول کی پابندی نہ ہو بلکہ حصولِ مقصد کے لیے جو بھی طریقہ وقتی طور پر کام دے اُس کو اختیار کر لیا جائے۔ تو کیا کتاب و سنّت کی پابند اقامتِ دین کی تحریک یہ اسلوب بھی اختیار کر سکتی ہے۔ اگر مولانا مودودی مرحوم نے کسی جگہ عوامی انقلابی تحریک کے ذریعے سیاسی اقتدار پر قبضہ کر لینے کو جائز اور درست قرار دیا ہو اور اس طریقے سے حکومت کے قیام کو اسلامی طریقہ قرار دیا ہو تو براہ کرم اس کی نشاندہی فرما دیجیے۔ کیا یہ درست نہ ہو گا کہ مولانا مودودیؒ کی سیاسی فکر کے وہی نکات بیان کیے جائیں جو مولانا مودودیؒ کے وسیع لٹریچر میں پائے جاتے ہیں۔ اپنے دل پسند نکات کو مولانا مودودیؒ کے سیاسی افکار کا رنگ دے دینا مولانا مودودیؒ کے ساتھ زیادتی کے مترادف ہے۔

جماعتِ اسلامی نے اپنی تاریخ میں جب کبھی کوئی اتحاد کیا یا سیاست میں کسی راستہ کو اختیار کرنے پر مجبور ہوئی تو وہ ایک وقتی تدبیر تھی نہ کہ مستقل طریق کار۔ طریقِ کار وہ ہوتا ہے جو مستقل اُصولوں پر قائم کیا جائے۔

اُمید ہے کہ آپ میرے خلجان کو دُور کرنے کی کوئی صورت اختیار کریں گے۔

جواب: ترجمان القرآن کا مرتب شکر گزار ہے کہ آپ نے تازہ ترجمان القرآن کے ایک مضمون کے بعض مندرجات پر گرفت کی اور مجھے اس کی کوتاہی پر متوجہ کیا۔ میں ان وجوہ و اسباب کو بطور عذر بیان کرنا مناسب نہیں سمجھتا جن کے باعث میں تمام مسودات کو پوری طرح پڑھ نہ سکا۔ اور کتابت شدہ کاپیوں کی غلطیوں کو نشان زد کرنے کا کام بھی دوسرے ہاتھوں سے ہوا۔ چونکہ ذمہ داری ہر حال میں میری ہے اس لیے میں سچے جذبے سے اللہ تعالیٰ سے بھی عفو کا طالب ہوں اور احباب سے بھی درگزر کا۔

اب آپ کے خط کے جواب میں اپنی معروضات پیش کرتا ہوں !

۱۔ رسالہ چھپ کر آنے پہ ورق گردانی کرتے ہوئے میری نگاہ ص $\frac{۵}{۱۹}$ کی سطر ۱۲ پہ اٹکی۔ میرے دیرینہ و محترم رفیق تحریک نے حضرت سیدنا امام حسین کے اسم مبارک کے ساتھ احترامی و دعائیہ کلمات "علیہ السلام" لکھے ہیں۔ یہ اہل السنۃ والجماعۃ کے مقررہ آداب کے مطابق نہیں ہے۔ مسلک جمہور یہ ہے کہ نبی کے نام کے ساتھ "علیہ السلام"، صحابی کے نام کے ساتھ "رضی اللہ عنہ" اور تابعی اور مابعد کے کسی امام و بزرگ کے نام کے ساتھ "رحمۃ اللہ علیہ" یا "علیہ الرحمہ" لکھا اور بولا جائے یا دوسرے مقررہ اور معروف متبادل کلمات، مثلاً نبی کے لیے "علیہ الصلوٰۃ" یا "صلوات اللہ علیہ" اور صحابی کے لیے "رضوان اللہ علیہ" استعمال کیے جائیں۔ حضور خاتم النبیین کے لیے بطور خاص "صلی اللہ علیہ وسلم" لکھا جاتا ہے۔ واضح رہے کہ اصطلاحی امور میں یہ سوال قابلِ لحاظ نہیں ہوتا کہ کسی لفظ کے سادہ لغوی معنی کیا ہیں اور اس کے دوسرے استعمالات کیا کیا ہیں۔ ورنہ کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ ہر مسلمان کو جب "السلام علیکم" کہا جاتا ہے اور نماز میں تو "السلام علینا" کی مثال بھی موجود ہے۔ تو پھر امام حسین کے لیے "علیہ السلام" کے احترامی و دعائیہ کلمات کیوں نہیں کہے جا سکتے۔ جب آداب وشعائر کی ایک اصطلاحی صورت معین ہو جائے تو پھر استدلال محض لغوی معنوں سے نہیں کیا جا سکتا۔ آداب وشعائر کی متذکرہ صورت خود نصوص ہی سے ماخوذ ہے۔ اس اصطلاحی ترتیب کے معیّن ہو جانے کا فائدہ یہ ہے کہ مثلاً کسی نام ساتھ "علیہ السلام" آنے کے معنی یہ سمجھ میں آجاتے ہیں کہ تذکرہ نبی کا ہے، اسی طرح صحابی اور تابعی کا معاملہ ہے۔ اب اگر اس ترتیب کو گڈمڈ کر دیا جائے تو یہ الجھن پیدا ہو جائے گی کہ امام حسین (نعوذ باللہ) نبی تھے یا صحابی؟ اسی طرح صحابی اور تابعی کے اسماء کو تحریر یا تقریر میں پہچاننا مشکل ہو جائے گا۔

پس درخواست ہے کہ متذکرہ مقام کی عبارت کو بدل کر یوں کر دیا جائے "امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی......"

۲۔ جہاں تک مولانا مودودی علیہ الرحمہ کے پیش کردہ اسلامی طریقِ انقلاب کا معاملہ

ہے۔ میں اگرچہ مندرجاتِ مضمون سے مطمئن نہیں ہوا، مگر اپنی رائے سے مختلف رائے کو چھپنے دیا۔ کیونکہ اس معاملے میں دو ٹوک قطعیت تک پہنچنے کے لیے خاصی وسیع تحقیق پیش کرنے کی ضرورت ہے۔ ہوسکا تو شاید میں یہ کام کروں۔ یہاں میں صرف ایک کمزوری کو نمایاں کرتا ہوں۔

مؤلف مضمون برادرم اسعد گیلانی صاحب نے "اسلامی حکومت کس طرح قائم ہوتی ہے" کے حوالے سے مولانا مودودی علیہ الرحمہ کا نقطۂ نظر یوں بیان کیا ہے کہ:

"یہ خالص ایک نظریاتی جدوجہد ہے، اس کے لیے انقلابی طریقہ بھی اختیار کیا جاسکتا ہے۔" (ترجمان القرآن ص ۳۸/۲۷)

دو چار سطروں کے بعد اسی چیز کو گیلانی صاحب اپنے لفظوں میں یوں بیان کرتے ہیں:

"تیسرا طریقہ مقبولِ عام عوامی تحریک ہے۔" (حوالہ ماسبق)

اور پیراگراف کا خاتمہ ان الفاظ پر ہے کہ:

"مولانا مودودیؒ نے ان تینوں طریقوں کو اسلامی طریقے قرار دیا ہے۔"

(حوالہ ماسبق)

اب دیکھیے کہ بات کہاں سے چل کر کہاں پہنچی! مولانا کہتے ہیں کہ "انقلابی طریقہ بھی اختیار کیا جاسکتا ہے۔" اسی کو دوسرے پیرائے میں یوں بیان کیا گیا کہ:- "تیسرا طریقہ مقبولِ عام عوامی تحریک کا ہے۔" پھر قابلِ غور یہ بھی ہے کہ مولانا مودودیؒ طریقہ انقلاب کا عملی نمونہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کام کو قرار دیتے ہیں، مگر گیلانی صاحب اس طریقہ انقلاب کا نمونہ پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"جیسے ایران میں بہت کامیابی کے ساتھ آزمایا جاچکا ہے۔"

اب مولانا مودودیؒ کے اصل جملے کو سامنے رکھ کر اس پر غور کیجیے۔ "انقلابی طریقہ" سے کیسا انقلاب مراد ہے؟ اس کی تعریف کیا ہے؟ اس میں تشدد اور انتقام ہوگا یا نہیں؟ اس کے مراحل کیا ہوں گے؟ اس کے کارکن، اس کے لیڈر، اس کی رکاوٹیں، اس کی کامیابی پر تعمیر و اصلاح کا جامع نقشہ ـــــ یہ ساری چیزیں مولانا نے تفصیل سے بیان کر دی ہیں۔

پس سند خود انہی کے ہاں سے لینی چاہیے۔

"انقلابی طریقہ" کے متعلق جب کبھی مولانا سے دریافت کیا گیا اور اس سلسلے میں ان کے اس ارشاد کی وضاحت چاہی گئی کہ دعوتی و تبلیغی اور جمہوری و انتخابی طریقے کے علاوہ بھی کچھ طریقے ہو سکتے ہیں تو اس کا جواب بالعموم ان کی تحریروں اور تقریروں اور گفتگوؤں میں یہ ملتا ہے کہ ہمارا کام یہ ہے کہ دعوت کو پھیلائیں، جمہوری و آئینی طریقوں سے کام کریں، رہی یہ بات کہ آخری مرحلہ کس طرح طے ہوگا - سو اس کا جواب یہ ہے کہ جب کسی جگہ پورے عام اسلامی نظام کے لیے پک کر تیار ہو جائے تو پھر وہ تبدیلی کا راستہ کسی نہ کسی طرح بنا ہی لیتی ہے۔ اس سے زیادہ کچھ کہنے سے انہوں نے معذوری ظاہر کی - یہ مولانا کے الفاظ نہیں، بلکہ یہ ملخص ہے اُن کی تحریروں اور تقریروں کا، جن کے بعض فقرے اور بیرے میری نگاہ میں ہیں۔

مجھے حیرت ہے کہ مولانا کے تصوّر انقلاب کے لیے "مقبولِ عام عوامی انقلاب" کی عجیب و غریب ترکیب یا اصطلاح اسعد صاحب جیسے ادیب نے کیوں استعمال کی۔ "مقبولِ عام انقلاب" اور "عوامی انقلاب" ان دو میں فرق کیا ہے اور ان دونوں کو جمع کرنے سے کیا نئے معنی نکلتے ہیں؟

دراصل مولانا مودودی کے نقطۂ نظر سے اسلامی انقلاب کا اُصولی راستہ معقولانہ دعوت، رابطۂ عام، خدمتِ خلق، ظلم کے خلاف کشمکش، جمہوری سعی، آئینی طریق کار، پابندِ اخلاق اجتماعیت کا راستہ ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ سفرِ انقلاب کے بیچ میں یا آخر میں پیش آنے والے خاص واقعات و حوادث کے لیے اُصولِ شریعت کے تحت کسی وقتی مصلحت یا تدبیر کو اختیار نہ کیا جائے۔ ایسی کسی مجبورانہ ضرورت و مصلحت کو مستقل طریق کار قرار دے لینا مولانا کی تحریروں کی رُو سے درست نہیں ہے۔

برادرم اسعد گیلانی صاحب اپنے نقطۂ نظر کو زیادہ سے زیادہ اس طرح کی کسی عبارت کے استدلال پر کھڑا کر سکتے ہیں:

"یہ لازم نہیں کہ عوام کو اپنا ہم خیال بنا لینے کے بعد غلط نظام کو صحیح نظام سے

بدلنے کے لیے ہر حال میں صرف انتخابات ہی پر انحصار کیا جائے ...... جہاں انتخابات کے راستے سے تبدیلی کا آنا غیر ممکن بنا دیا گیا ہو، وہاں جباروں کو ہٹانے کے لیے رائے عامہ کا دباؤ دوسرے طریقوں سے ڈالا جا سکتا ہے ...... جب کہ ہر شعبۂ زندگی سے تعلق رکھنے والے لوگوں کی بھاری اکثریت اِس بات پر تُل جائے کہ جباروں کا من مانا نظام ہرگز نہ چلنے دیا جائے گا ..... تو اس کے بعد غیر مقبول نظام کو عوامی دباؤ سے بدلنا قطعاً غیر جمہوری نہیں ہے۔" (تصریحات)

اِس عبارت کا صحیح مفہوم اخذ کرتے ہوئے چند باتیں ملحوظ رکھیے:

۱ — پورا سلسلۂ کلام یہ ہے کہ اسلامی انقلاب زور زبردستی سے نہیں، بلکہ تعلیم و تلقین کے ذریعے رائے عام کو تیار کرنے کی صورت ہی میں لایا جا سکتا ہے۔

۲ — ایک استثنائی صورتِ حال سے بات کو مشروط کیا گیا ہے۔ یعنی جہاں کہیں جمہوری طریقوں سے تبدیلی کو ناممکن بنا دیا گیا ہو وہاں انقلاب کسی دوسرے راستے سے بھی آسکتا ہے۔

۳ — یہاں یہ بات صراحت سے ہرگز نہیں کہی گئی کہ "دوسرا راستہ" لازماً خون خرابے کا ہوگا۔

۴ — اصل چیز جس پر زور ہے وہ مضبوط اور پختہ رائے عام کا دباؤ ہے۔

۵ — یہ بات کسی مستقل صورت پروگرام کے طور پر نہیں کہی گئی کہ تبدیلی کا پروگرام اِس رنگ کے آخری مرحلے کو سامنے رکھ کر بنانا چاہیے اور اسی کے لیے شروع سے تیاری کرنی چاہیے۔

۶ — جنابِ مستفسر کی یہ توجہ دہانی بجا ہے کہ جب کوئی جز دستور میں بالاتفاق طے پا جائے تو پھر عام متفرق آرا اور بحثیں پس منظر میں چلی جاتی ہیں، یہاں تک کہ داعیِ تحریک اور امیرِ جماعت کے مدبرانہ افکار بھی دستوری فیصلے پر آکر ختم ہو جاتے ہیں۔

دستور میں جب ہماری ہی آرا سے یہ طے ہو گیا کہ ہمیں "جمہوری و آئینی طریقوں سے" اصلاح و انقلاب کا کام کرنا ہے۔ اور "تبلیغ اور اشاعت افکار کے ذریعے سے ذہنوں اور سیرتوں

کی اصلاح " کرنا اور " رائے عام کو " مطلوبہ " تغیرات کے لیے ہموار کرنا ہے " ۔ تو عملاً ساری توجہ اس منزلِ دشوار کے سر ہونے پر صرف ہونی چاہیے ۔ اس مرحلہ میں آخری مرحلۂ انقلاب کی باتیں علمی و فکری طور پر کی جا سکتی ہیں ، مگر احتیاط یہ ضروری ہے کہ کتاب و سنّت کے طے کردہ طریق کار کے اُصول نہ ٹوٹیں اور کوئی بات غلط طور پر مولانا مودودیؒ یا کسی دوسری اسلامی شخصیت سے منسوب نہ ہو جائے ۔ اپنی طرف سے کوئی مختلف بات کہنی ہو تو وہ بس اپنی طرف سے کہی جائے ۔

اُمید ہے کہ یہ گزارشات دریافت شدہ مسائل کے تعلق سے کافی ہوں گی ۔

(ن ۔ ص)

خواتین کیلیے تین خوبصورت کتابیں

۱ ۔ شمعِ حرم	محمد یوسف اصلاحی	۱۲/- روپے
۲ ۔ عورت اور اسلام	جلال الدین عمری	۹/- "
۳ ۔ عورت قرآن کی نظر میں	شمیمہ محسن	۱۲/- "

البدر پبلی کیشنز ۔ ۲۳ ۔ راحت مارکیٹ اُردو بازار لاہور